اسلام کا نظریۂ حدود وتعزیرات

تحریر: مفتی سید صابر حسین

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو سلیم بنایا ہے یعنی یہ باعتبارِ اصل سلیم الطبع ہے۔ جب کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ فطرتِ سلیمہ کے ساتھ آتا ہے، جس کی تعبیر "فِطْرَتِ اللّٰہِ" کے ساتھ کی گئی ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: **فِطْرَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا** ترجمہ: اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، (سورۂ روم، آیت نمبر: 30)۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نیکیوں کے ساتھ ساتھ انسان کی فطرت میں شر و باطل، فتنہ و فساد اور جرائم کے محرّکات بھی موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا★قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا★وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا★** پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری کی سمجھ دل میں ڈالی، بے شک جس نے نفس کو پاک کرلیا وہ کامیاب ہوگیا اور بے شک جس نے نفس کو گناہوں میں چھپا دیا، وہ ناکام ہوگیا، (سورۂ شمس، آیت نمبر 8 تا 10)۔ حدیث شریف میں ہے: **مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ** ترجمہ: "ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن یہ اس کے و[illegible] ہیں، جو اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں، (**صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ**"۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ انسان کی فطرت سلیم ہے لیکن وہ اپنے ماحول کے اثراتِ بد کو قبول کرکے گناہ و سرکشی میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے۔

انسان کی فطرت سلیم ہے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بارہا انسان اپنی زندگی میں اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے کہ جب اُس سے کوئی جرم سرزد ہوجائے تو پھر وہ اپنے اندر ایک کشمکش محسوس کرتا ہے اور وہ بے چین ہوجاتا ہے۔ یہ دراصل اُس کی فطرتِ سلیمہ ہی ہے، جو اُسے جھنجھوڑ رہی ہے۔ نیکیوں پر سکون وطمانیت کا احساس اور گناہوں پر نادم و پشیمان ہونا بھی فطرت کے سلیم ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیثِ مبارک میں ہے کہ نیکی وہ ہے، جس سے دل میں اطمینان ہو اور گناہ وہ ہے، جو دل میں کھٹکے۔ لیکن جب کوئی شخص کسی جرم کو بار بار کرتا رہتا ہے، تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اُس کے اندر کی یہ کشمکش دم توڑ دیتی ہے، پھر وہ گناہوں اور جرائم

کا اس قدر خوگر ہوجاتا ہے کہ کسی بھی گناہ پر اُسے ندامت نہیں ہوتی بلکہ وہ خود کو حق پر سمجھنے لگتا ہے۔قرآنِ مجید کے مطابق بداعمالیوں کی وجہ سے اُس کا دل زنگ زدہ ہوجاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ حقیقت ظاہر ہوگئی کہ انسان میں جرائم کرنے اور زمین پر شر و فساد پھیلانے کی رغبت موجود ہے اور جرائم معاشرے کی بگاڑ اور امن وامان کو غارت کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں، تو ان کی روک تھام اور سدِ باب کے لئے شریعت نے حدود و قصاص اور تعزیرات کا نظریہ دیا۔ ان حدود و تعزیرات کے مقاصد میں انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت واضح کرنے اور مجرم کو قرار واقعی سزا دے کر اُسے آخرت کی سزا سے بچانے کے ساتھ ساتھ ایک اہم مقصد جرائم کا سدِ باب اور معاشرے میں امن و آشتی کو پروان چڑھانا ہے۔سورۂ بقرہ میں ہے:**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**★ ترجمہ:''اور اے عقلمندو! خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے تا کہ تم (ناحق قتل کرنے سے بچو، (سورۂ بقرہ، آیت نمبر:179)''۔سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیتِ کریمہ میں قصاص کو قوم کی حیات سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ جس قوم میں ظالم کی حمایت اور اُس کے مظالم کی پردہ پوشی کی جائے ، وہ تباہ و برباد ہوجاتی ہے اور جہاں ظالم کو بلاتخصیص رنگ ونسل اور امیر و غریب سزا دی جاتی ہے، وہاں جرائم کی شرح کم ہوجاتی ہے اور یہ اُصول ایک محلے سے لے کر عالمی سطح تک کارفرما ہے۔سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 44 تا 46 میں حدود کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کو کفر، ظلم اور فسق و فجور قرار دیا گیا ہے۔یہ بھی واضح رہے کہ حدود و قصاص اور تعزیرات دونوں ہی سزاؤں کی صورتیں ہیں، فرق اِن میں یہ ہے کہ حدود و قصاص کی سزائیں شریعت کی متعین کردہ ہیں، جن میں کسی قسم کی تبدیلی لانے کا کسی کو اختیار نہیں بلکہ اُسے مِن وعَن نافذ کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے جبکہ تعزیرات کا نفاذ حاکمِ وقت یا قاضی کی صوابدید پر ہوتا ہے اور وہ اس کا تعین جرم کی نوعیت، مجرم کے سابقہ ریکارڈ اور عرف و تعامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کرسکتا ہے۔

حدود و قصاص کے بلاتفریق نفاذ سے لوگوں میں جرائم کے اِرتکاب کی رغبت کم ہوجاتی ہے اور کیوں نہ ہو، جب ایک شخص کو بیچ چوراہے پہ کھڑا کر کے لوگوں کے سامنے شریعت کے بتائے ہوئے طریقۂ کار کے مطابق سزا دی جائے تو وہاں پر موجود کوئی بھی شخص اُس جرم کے کرنے کی جرأت تو دور کی بات ہے، اُس کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی کانپ جائے گا۔ گویا مجرم کو سزا دے کر پورے معاشرے کو ارتکابِ جرم سے بچایا جاسکتا ہے ۔ حدود وتعزیرات کے نفاذ میں سب

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

سے اہم مقصد یہی ہے۔اِسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں میں حدود وتعزیرات کوعملاً نافذ کیا جاتا رہا، اُس وقت تک ان میں جرائم کی شرح نہ ہونے کے برابر تھی ۔ اس تناظر میں اگر خلافتِ راشدہ کے دور کو دیکھا جائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ مبارک ہمیں بے مثال و یکتا نظر آتا ہے،جس میں حدود وقصاص سے لے کر تعزیرات تک کا عملی نفاذ نظر آتا ہے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اپنی نگرانی میں حدود وتعزیرات قائم فرمایا کرتے تھے ۔ موجودہ زمانے میں سعودی عرب میں کسی حد تک حدود وتعزیرات کوعملاً قائم کیا جارہا ہے،لہٰذا اعداد وشمار کے مطابق وہاں جرائم کی شرح دوسرے مسلم ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے۔وہاں کے لوگوں میں اپنی جان ،مال اورعزت و آبرو کے تحفظ کا احساس اس قدر زیادہ ہے کہ دکاندار بلاخوف وخطر اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز کی ادائیگی اور دوسرے کاموں کے لئے چلے جاتے ہیں۔اگر دوسرے اسلامی ممالک بھی اسی طرزِ عمل کو اپنائیں تو یقیناً جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح میں کمی واقع ہوگی۔

آج ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ اولاً تو اسلامی حدود وتعزیرات کو معطل کر دیا گیا اور اگر اِن کا نفاذ ہے بھی تو حقیقی معنوں میں اُن کے ثمرات معاشرے میں نظر نہیں آرہے ۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون وقت کے گذرنے کے ساتھ اپنی اہمیت وافادیت کھو بیٹھا ہے جیسا کہ بعض نام نہاد مغرب زدہ دانشوروں کا خیال ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کہیں قومی مفاہمتی حکمنامے **(National Reconciliation Order-NRO)** کے نام سے مجرموں کے لئے گنجائش نکالنے کی غیر شرعی اور غیر قانونی کوششیں ہورہی ہوں، کہیں سیاسی مفادات اور کہیں ذاتی مفادات ملحوظ ہوں،قومی خزانے کو لوٹنے والے کا جرم ثابت ہوجانے اور عدالتِ عالیہ سے سزا مل جانے کے باوجود صدارتی حکمنامہ **(Executive Order)** کے تحت معافی کا پروانہ دیا جارہا ہو ،میڈیا پر جرم اور مجرم کی بھرپور تشہیر ہورہی ہو لیکن اُس پر سزا نہ دی جارہی ہو یا ملنے والی سزا کی تشہیر جرم اور مجرم کی تشہیر کے مقابلے میں بالکل نہ ہو،اسی طرح جب مجرم کے دل سے سزا کے ملنے کا خوف ختم ہوجائے بلکہ جرم کرنے پر اُسے تحفظ ملنے کا یقین ہو، تو پھر جرائم کیسے ختم ہونگے اور حدود و تعزیرات کے اثرات معاشرے پر کس طرح مرتب ہونگے۔

آج ہر طرف قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ کا جو بازار گرم ہے،اُس کی وجہ یہ تو ہے کہ مجرم کو کسی کا خوف نہیں وہ خود کو شرعی وملکی قوانین سے بالاتر سمجھتا ہے ،لہٰذا جو چاہے کرتا

ہے۔ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل (Transprency International) کی 2011ء کی رپورٹ میں پاکستان کو 34 واں بدعنوان ترین ملک قرار دیا گیا ہے جبکہ گذشتہ سال اسے دنیا کے بدعنوان ترین ممالک میں 42 ویں نمبر میں شامل کیا گیا تھا۔ اسی طرح دی نیشنل کرپشن پرسپشن سروے (The National Corruption Perception Survey) کی رپورٹ **2009** عیسوی کے مطابق گذشتہ تین سالوں میں پاکستان میں جرائم اور بدعنوانی کی شرح میں 400 گناہ تک اضافہ ہوا ہے اور یہ بدعنوانی نچلی سطح سے لے کر اوپر تک زندگی کے ہر شعبے میں ناسور کی طرح پھیلتی چلی جارہی ہے۔یہ اعداد وشمار اگرچہ گزشتہ سالوں کے ہیں اور اب پہلے کے مقابلے میں کسی حد تک مثبت تبدیلی آئی ہے لیکن موجودہ صورتِ حال بھی کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ حال تو یہ ہے کہ جسے موقع مل رہا ہے وہ بدعنوانی میں مبتلا ہوکر ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے کسی کو ملک وملت کی فکر نہیں۔سوائے اُن لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ کا خوف دامن گیر ہے اور ملک وملت سے حقیقی محبت ہے۔ رپورٹ کے مطابق بدعنوانی پولیس اور توانائی (جس میں بجلی ،گیس اور پیٹرول وغیرہ شامل ہیں) میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہے۔اس کی وجہ کیا ہے؟ حدود وتعزیرات کا عدمِ نفاذ اور قانون کی عدمِ بالادستی اس کی وجہ ہے۔ لہٰذا آج بھی معاشرتی بگاڑ اور بدامنی کا خاتمہ عدل وانصاف پر مبنی قانون اور حدود وتعزیرات کے منصفانہ اور شفاف نفاذ سے ہی ممکن ہے ۔بدقسمتی سے آج ہمارے ملک میں قانون کی حکمرانی (Rules of Law) نہیں بلکہ حکمرانوں کا قانون (Law of Rulers) ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جرم وسزا کے حوالے سے اسلام کا ایک بنیادی قاعدہ اور اُصول یہ ہے کہ جرم کو ظاہر ہونے سے پہلے حتی الوسع ختم کرنے کی کوشش کی جائے کیونکہ اُس کے ظاہر ہونے سے دوسرے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور جرائم کی شرح میں اضافہ ہوگا۔لیکن اگر کسی پر فردِ جرم عائد کردیا جائے ،تو پھر شریعت کا منشاء یہ ہے کہ مجرم کو ہر حال میں سزا دی جائے کیونکہ جرم کے ثبوت کے بعد اگر مجرم کے ساتھ کسی قسم کی رورعایت برتی گئی یا اُسے سزا نہ دی گئی تو پھر دوسرے لوگ بھی جرم کو ہلکا سمجھ کر کرینگے، جو معاشرتی بگاڑ کا باعث بنے گا۔اس اُصول کے تناظر میں اگر گذشتہ ریکارڈ جمع کیا جائے ،تو معلوم ہوگا کہ میڈیا پر جرائم کے ایسے کئی واقعات منظر پر لائے گئے اور اُن کا خوب پرچار بھی کیا گیا مثلاً سانحہ سیالکوٹ، کراچی میں روزانہ ہونے والی ٹارگٹ کلنگ اور اسی طرح کے دوسرے جرائم پر مبنی واقعات ۔اور اب قصور

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

کی پیاری بیٹی ، ننھی کنول زینب کے معاملے میں بھی یہی نظر آ رہا ہے۔ میڈیا پر صرف جرم کو دکھایا جار ہا ہے اس کی سزا نہیں لہٰذا یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ جرائم کی سزا میں روز افزوں اضافہ تو ہو رہا ہے لیکن کمی نہیں ۔ جرم وسزا کی تشہیر کے حوالے سے یہ عدمِ توازن لٹیروں اور قاتلوں کی حوصلہ افزائی کا باعث بن رہا ہے۔ اب جرم نہیں سزا دکھانے کی ضرورت ہے۔ اس پر سیاست دان، میڈیا کے ذمہ داران، علماءِ کرام اور معاشرے کے دوسرے بااختیار افراد کو غور کرنا چاہئے اور اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب کی [illegible]

تاریخ نفاذ حدود	کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت
کریڈٹ کارڈ (تاریخ، تعارف، شرعی حیثیت)	کلوننگ (خدشات، شرعی نقطہ نظر)
امام وخطیب کی شرعی ومعاشرتی حیثیت	مختصر نصاب سیرت
مختصر نصاب فقہ	مختصر نصاب قرآن
مختصر نصاب حدیث	انڈیکس شرح صحیح مسلم
روزہ رکھئے مگر!	قربانی کیسے کریں
آسان ومختصر دعائیں	لوگ کیا کہیں گے؟
کڑوی روٹی	منتخب مباحث علوم القرآن
پندرھویں صدی کا مجدد کون؟	شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت
رطب ویابس (مجموعہ مضامین)	بینکوں کے ذریعہ زکوٰۃ کی کٹوتی کی شرعی حیثیت
مفتی کون؟ فتویٰ کس سے لیں؟	اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق
لیزنگ (اجارہ)	چند منتخب معاملات کی شرعی حیثیت
مسئلہ ختم نبوت اور تعارف قادیانیت	جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل